AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 4, Issue 1, June 2020, PP: 127-142
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

بین الاقوامی تعلقات کے اصول وذرائع: سیرتِ طیّبہ کی روشنی میں

Means & Precepts of International Relations in the Light of Prophet's Sīrah (peace be upon him)

Hafiz Muhammad Waseem Abbas [1*] & **Mustafeez Ahmad Alvi** [2]
[1]Doctoral Candidate, [2]Director of Faculty of Arts and Social Sciences
Department of Islamic Studies, GIFT University Gujranwala, Pakistan

ARTICLE INFO

Article History:
Received 21 Feb. 2019
Revised 05 May 2020
Accepted 08 June 2020
Online 30 June 2020

DOI:

Keywords:
Prophet's Sīrah, Interfaith Relationship, Other Religions, Dialogue, Adm-e-Mudahnat, Agreements.

ABSTRACT

The human being is an honourable creature on earth. Almighty Allah declares in the Qur'ān, "Indeed We have honoured the Descendants of Adam." Thus, mankind deserves respect, love and sympathy create a sense of adoption among different nations and generations. However, on some occasions, Islam insists to develop a sense of distinction and distance while developing relations with other religions to preserve the identity, legitimacy, universality and comprehensiveness. The interfaith relationship is one of the most significant state matter in the Islamic world. This research paper is intended to find the guidelines from Sīrah regarding interfaith relationships. The discussion made in the paper includes strong and valid arguments in the light of the Qur'ān and Sīrah. Determining four fundamental dimensions according to the teachings of Sīrah and Islamic history for the relationship with other religions, the article explores the role of interfaith relations during the lifetime of the Prophet (peace be upon him) and companions in the expansion of Islam as a precept for the contemporary Muslim states. Abiding by the Divine guidance for the interfaith relationship, Muslims can bring back the glory of Islam in today's world that ensures prosperity, dignity and peace in the Muslim countries.

[*]Corresponding Author's email: wmwaseem793@gmail.com

CC BY

موضوع کا تعارف اور پس منظر

اسلام کی نظر میں انسان ایک قابل تکریم اور محترم مخلوق ہے۔ جس کو اشرف المخلوق کے لقب سے نوازا گیا۔ اسلام تمام انسانوں کو ایک عالمگیر انسانی اخوت میں شمار کرتا ہے۔ اس عالمگیر انسانی اخوت کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کے مابین ایک وسیع تر انسانی اخوت کا احساس پیدا ہو جائے۔ اسلام نے انسان کو اکرام و محبت اور ہمدردی کا مستحق ٹھہرایا ہے، تاکہ مختلف قوم و نسل کے لوگوں میں اپنائیت کے رشتے کو فروغ دیا جا سکے۔ تاہم بعض خاص مواقع پر اسلام دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات میں ایک حد فاصل قائم رکھنے پر زور دیتا ہے تاکہ دینِ اسلام کی حقانیت، جامعیت اور عالمگیریت دیگر مذاہب کے ساتھ مل کر اپنی شناخت اور امتیاز نہ کھو بیٹھے۔

متقدمین اور متاخرین علماء اور محققین کی مطالعہ مذاہب اور بین الاقوام تعلقات کی مختلف جہات پر بہت اہم اور وقیع تحقیق موجود ہے۔ ابتدائی دور کی اہم ترین مثال علی بن ربن الطبری (متوفی ۲۵۶ھ) کی کتاب الدین والدولة ہے۔ انہوں نے تقابلِ ادیان پر سب سے پہلے کتاب تحریر کی، جس میں یہود و نصاریٰ نے اسلام پر جو اعتراضات کیے تھے آپ نے اپنی اس کتاب میں جوابات دیئے ہیں۔ ابو ریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) نے کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهندمن مقولة مقبولة فی العقل اومرذولة میں ہندوستان کے تمام مذاہب پر کلام کیا ہے۔ علامہ ابن حزم الاندلسی نے الفصل فی الملل والاهواء والنحل میں فلاسفہ، مادیین اور یہود و نصاریٰ اور دیگر اہل مذاہب کے عقائد و خیالات نقل کیے ہیں اور ان کا رد لکھا ہے۔ محمد بن عبد الکریم الشہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) نے الملل والنحل میں مختلف مذاہب و ادیان کے عقائد و نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) نے الجواب الصحیح لمن بدل عن دین المسیح میں رد نصرانیت پر دلائل پیش کیے ہیں۔

متاخرین میں سے برصغیر کے نامور محقق علامہ رحمت اللہ کیرانوی (متوفی ۱۸۹۱ء) نے اظہار الحق میں عیسائیت کی مکمل تاریخ اور ان کے عقائد، فرقے اور ان کا رد پیش کیا ہے۔ بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تحریفات کو جمع کر دیا ہے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۹۷۹ء) نے اپنی الگ الگ کتب یہودیت و نصرانیت پر لکھی ہیں جن میں بائیبل کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کے عقائد اور تاریخ کا محاکمہ قرآنی آیات کی روشنی میں کیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری (متوفی ۱۹۹۸ء) نے ضیاء النبیﷺ کی پہلی جلد میں قدیم دنیا میں مروجہ مذاہب اور ان کی تاریخ، عقائد اور ان کا رد پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر احمد شلبی نے مقارنة الادیان میں عیسائیت، یہودیت اور ہندومت کے منطقی تضادات اور عقلی مغالطے علمی تناظر میں واضح کیے ہیں۔ نیز اسلام کی حقانیت اور فوقیت دیگر مذاہب پر ثابت کی ہے۔

لیکن، اب تک کسی مصنف یا محقق نے، زیر نظر موضوع کو مرکز بنا کر کلام نہیں کیا۔ جس سے سیرتِ طیبہ کی روشنی میں بین الاقوام تعلقات کی ممکنہ جہات واضح ہو کر جامع طور پر سامنے آتی ہو۔ اس لیے اس موضوع کو تحقیق کے لیے چنا گیا ہے۔ لہٰذا ذیل کی تحقیق سیرتِ طیبہ کی روشنی میں بین الاقوام تعلقات کی ممکنہ جہات کے آداب دریافت کرنے کی ایک سعی ہے۔

دیگر مذاہب سے تعلقات کی جہات

قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری انسانیت دو گروہوں میں تقسیم ہے، ایک وہ ہے جو اللہ رب العزت کے عطا کردہ نظریہ حیات کو اپنا کر مسلم و مومن ہو جائے اور دوسرے وہ جو طغیٰ اور ناشکری اختیار کر کے باغی اور کافر قرار پاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں واضح

طور پر موجود ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا[1]

ترجمہ: ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

علامہ قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

أي بينا له وعرفناه طريق الهدى والضلال، والخير والشر ببعث الرسل، فآمن أو كفر[2]

ترجمہ: یعنی ہم نے اس کے لیے واضح کیا اور ہم نے رسول مبعوث کر کے اس کو ہدایت و گمراہی اور خیر و شر کے راستوں کی پہچان کرائی، پس وہ ایمان لایا اور کفر کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یہی مضمون سورۃ البلد میں یوں مذکور ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ[3]

ترجمہ: اور دونوں نمایاں راستے (اسے) نہیں دکھا دیے؟

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) لفظِ النجدین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقال اكثر المفسرين طريقى الخير والشر والحق والباطل والهدى والضلال يعنى أظهرنا له الخير من الشر بايجاد العقل فيه وإرسال الرسل فمن ضل واختار طريق الشر بعد ذلك فلا عذر له[4]

ترجمہ: اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ النجدین سے مراد ہیں خیر و شر۔ حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے راستے۔ مطلب یہ ہے کہ عقل دے کر اور پیغمبروں کو بھیج کر ہم نے اچھائی 'برائی واضح کر دی۔ اب جو شر کا راستہ اختیار کرے گا اور گمراہ ہو گا اس کا کوئی عذر (قیامت کے دن) قبول نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کے راستے کی پہچان انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا[5]

ترجمہ: پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی۔

علامہ نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) انسانی فطرت میں ودیعت نورِ بصیرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

فأعلمها طاعتها ومعصيتها أى أفهمها أن أحدهما حسن والآخر قبيح[6]

ترجمہ: پس اس کو طاعت و معصیت بتلادی۔ یعنی سمجھادی کہ ان میں سے ایک حسن اور دوسری قبیح ہے۔

اللہ رب العالمین کی عطا کردہ نعمتوں سے کفر کا رویہ اختیار کرنے والوں میں وہ طبقات بھی شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لیے وضعی طریق زندگی اور مذاہب تشکیل دیتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ . وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ[7]

ترجمہ: ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتاب پر حق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید ابو الاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۹۷۹ء) لکھتے ہیں:

"دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لیے صحیح راستہ کون سا ہے۔ اس کے بعد ایک مدت تک نسل آدم راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی۔ پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لیے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے۔ اسی خرابی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کرنا شروع کیا۔ یہ انبیاء (علیہم السلام) اس لیے نہیں بھیجے گئے تھے کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئے مذہب کی بناڈالے اور اپنی ایک نئی امت بنالے۔ بلکہ ان کے بھیجے جانے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی ہوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک امت بنادیں"۔[۸]

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ پوری انسانیت دو گروہوں میں منقسم ہے، ایک وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تصورِ حیات کے مطابق اپنے شب و روز گزارتا ہے اور دوسرا وہ گروہ ہے جو اپنی عقل اور تجربے کو بروئے کار لاتے ہوئے زندگی گزارنے کے اصول و نظریات طے کرتے ہوئے رضائے الٰہی کو مد نظر نہیں رکھتا، جس بنیاد پر وہ باغی و سرکشوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام ایسے سرکشوں اور باغیوں سے ایک حدِ فاصل قائم رکھنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ ایک مسلم اور ناشکرے میں فرق نمایاں ہو سکے۔

ترقی یافتہ دور کے جدید اِکتشافات کے سامنے انسانی عقل و خرد محو حیرت ہے۔ ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل و حمل کی بدولت دنیا ایک آفاقی گاؤں بن گئی ہے۔ جس کے منطقی نتیجے میں ہر فرد ایک دوسرے سے مختلف اور منحرف نظر آرہا ہے۔ اس کشمکش کے عالم میں معاشرے میں موجود مختلف نظریات کے حامل لوگوں کے درمیان تعلقات کو فروغ دینا انتہائی ناگزیر امر بن چکا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ایسے رویے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ جو ایک عالمگیر نظام برپا کرنے اور اسے صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے کلیدی کردار ادا کر سکیں۔ تاہم چودہ سو سال قبل جب عرب کی سرزمین اس طرح کی کشمکش میں مبتلاء تھی، تو اس وقت حضرت محمد ﷺ نے بین الاقوام اور بین المذاہب تعلقات کے ایسے اصول و ذرائع کو متعارف کروایا، جس کی بدولت کثیر الجہتی معاشرہ امن کا گہوارا بن گیا۔

عدمِ مداہنت

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل اسلام کو دیگر مذاہب کے ساتھ تعلق کی پہلی جہت عدم مداہنت (یعنی سودے بازی نہ کرنے) کی اختیار کرنی چاہیے۔ مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور جاہلیت کو ایک درمیانی راستے پر باہم

منسلک کر دیا جائے یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر مشرکین اپنی بعض باتیں چھوڑ دیں اور بعض باتیں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ چھوڑ دیں۔ قرآن مجید نے اس رویے کو مداہنت سے موسوم کیا ہے:

وَدُّوْا لَوْتُدْہِنُ فَیُدْہِنُوْنَ[9]

ترجمہ: وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔

علامہ ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ودہؤلآءالمشرکون یامحمدلوتلین لہم فی دینک باجابتک ایاہم الی الرکون الی آلہتہم،فیلینون لک فی عبادتک الہک[10]

ترجمہ: ان مشرکوں نے خواہش کی، اے محمد! اگر آپ اپنے دین میں ان (یعنی مشرکین) کے خداؤں کی ایک سال تک عبادت شامل کر لے، تو وہ بھی آپ کے خدا کی سال تک عبادت کریں گے۔

علامہ شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے بھی اس آیت کے تحت مداہنت کا یہی مفہوم واضح کیا ہے۔[11] جبکہ علامہ قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) اس بات کو مزید تفصیل سے حضرت عبداللہ بن عباس سے بیان کرتے ہیں:

ان الولیدبن المغیرۃ،والعاص ابن وائل،والاسودبن عبدالمطلب،وامیۃبن خلف لقوارسول اللہ فقالوا:یامحمد،ہلم فلنعبدماتعبد،وتعبدمانعبد،ونشترک نحن وانت فی امرناکلہ،فان کان الذی جئت بہ خیرممابایدینا،کناقدشارکناک فیہ،واخذنابحظنامنہ.وان کان الذی بایدیناخیرامما بیدک،انت قد شرکتنا فی امرنا، واخذت بحظک منہ، فانزل اللہ عز وجل قل یاایہا الکافرون[12]

ترجمہ: ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف نے رسول اللہ سے ملاقات کی، انہوں نے کہا: اے محمد! آؤ اس کی ہم عبادت کریں، جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ اور آپ اس کی عبادت کرے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہم اور آپ ایک معاملے میں مشترک ہو جائیں۔ پس اگر آپ کا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہوا۔ تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے۔ اور اگر ہمارا معبود آپ کے معبود سے بہتر ہوا تو آپ اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالی نے سورۃ الکافرون کو نازل کیا۔

نیز اس سے ملتی جلتی روایات کو امام خازن (متوفی ۷۴۱ھ)[13]، امام نسفی (متوفی ۷۱۰ھ)[14]، امام بغوی (متوفی ۵۱۰ھ)[15]، الواحدی (متوفی ۴۶۸ھ)[16]، علامہ اندلسی (متوفی ۷۴۵ھ)[17]، علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۷۹ھ)[18]، علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)[19]، علامہ آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ)[20]، الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ)[21] اور قاضی ثناءاللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ)[22] نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے۔

تاہم سیرت ابن ہشام میں مداہنت کے حوالے سے بہت ساری روایات موجود ہیں۔ جن میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ لو، کچھ دو کا معاملہ طے کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن آپ ﷺ نے کسی صورت میں بھی دیگر مذاہب کے ساتھ مداہنت کرنے پر اتفاق نہیں کیا۔

چنانچہ ابن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ)، یزید بن زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے قریشِ مکہ سے کہا کہ کیا میں محمد ﷺ کو کچھ ایسی باتیں پیش نہ کروں؟ جن میں سے وہ کچھ قبول کر لیں۔ (تاکہ ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ کچھ لو، کچھ دو کا معاملہ ہو جائے) لوگوں نے کہا کیوں نہیں۔۔۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگا:

یابن اخی ان کنت انماتریدبماجئت به من ہذاالامر مالا جمعنا لک من ا موالنا حتی تکون اکثرنا مالا، وان کنت ترید به شرفا سودناک علینا، حتی لا نقطع امرا دون، وان کنت ترید به ملکا ملکناک علینا،وان کان ہذا الذی یاتی رئیاتراہ لا تستطیع ردہ عن نفسک طلبنا لک الطب، وبذلنا فیه اموالنا حتی نبرئک منه[23]

ترجمہ: اے بھتیجے! اگر تم اس مسئلے کے ذریعے جسے تم لائے ہو، صرف مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے اس قدر مال جمع کر دیں گے، کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اور اگر اس کے ذریعے اعلیٰ مرتبہ چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں گے، کہ کوئی بات تمہارے بغیر قطعی نہ ہو گی۔ اور اگر تم اس کے ذریعے حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ یہ جو تمہارے پاس آتا ہے اگر کوئی رئی[۲۴] ہے۔ جسے تم دیکھتے تو اور اپنے پاس سے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، تو ہم تمہارے لیے جھاڑ پھونک کا انتظام کریں گے، اور ہم مال خرچ کر کے اس سے تمہیں نجات دلائیں گے۔

نبی کریم ﷺ اس کی باتیں سنتے رہے، اور جب عتبہ اپنی بات مکمل کر چکا تو آپ نے سورۃ "السجدۃ" کی کچھ آیات تلاوت کی تو اس نے واپس جا کر اپنی قوم کو یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی حالت پر چھوڑ دو، اور اس سے الگ رہو۔ تم اس کے طفیل سب سے زیادہ خوشحال اور عزت والے بن جاؤ گے، لیکن قوم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

علامہ ابن ہشام (متوفی ۲۱۸ھ) دوسری روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار غروبِ آفتاب کے بعد کعبۃ اللہ کے پیچھے جمع ہوئے، تو بعض نے کہا: محمد کو بلا کر گفت وشنید کے ساتھ معاملہ طے کر لو، تاکہ تم لوگ اس کے متعلق معذور سمجھے جاؤ۔ پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کو پیغام بھیجا کہ قوم کے بڑے بڑے سردار آپ سے گفتگو کے لیے جمع ہوئے ہیں، لہذا آپ بھی آجائیں، تو رسول اللہ فوراً تشریف لائے، اس پر انہوں نے کہا:

یامحمداناقدبعثناالیک لنکلم،واناواللہ مانعلم رجلامن العرب ادخل علی قومه مثل ماادخلت علی قوم،لقد شتمت الآباء ،وعبت الدین وشتمت الآلہۃ وسفہت الاحلام وفرقت الجماعۃ،فما بقی امر قبیح الا جئته فیما بیننا وبینک[25]

ترجمہ: اے محمد! ہم نے اس لیے بلایا ہے کہ تم سے گفتگو کریں۔ واللہ! ہم نے عرب میں کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا، جس نے اپنی قوم پر وہ آفت ڈھائی ہو، جو تم نے ڈھائی ہے۔ تم نے (ہمارے) باپ دادا کو برا بھلا کہا، دین پر عیب لگایا، ہمارے معبودوں کو گالیاں دی، عقل مندوں کو احمق بتایا اور جماعت میں پھوٹ ڈال دی۔ غرض اپنے اور ہمارے تعلقات میں کوئی (ایسی) برائی نہ چھوڑی، جسے (تم) نہ کر گزرے ہو۔

اس کے بعد انہوں نے دعوت و تبلیغ کو بند کرنے کے لیے آپ کو مال ودولت، جاہ وحشمت اور علاج معالجے کی پیش کش کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ما بی ما تقولون، ما جئت بما جئتکم به اطلب اموالکم، ولا الشرف فیکم، ولا الملک علیکم، ولکن اللہ بعثنی الیکم رسول۔۔۔فان تقبلوا منی ما جئتکم به، فهوحظکم فی الدنیا والآخرة، وان تردوه علی اصبر لامراللہ حتی یحکم اللہ بینی وبینکم[26]
>
> ترجمہ: مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیے، جو تم کہتے ہو۔ جو کچھ بھی میں لایا ہوں، وہ اس لیے نہیں، کہ اس کے معاوضے میں تمہارے مال حاصل کروں، نہ میں تم میں اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہوں، نہ تم پر حکومت کا خواہاں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پس اگر تم نے وہ باتیں مان لیں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں، تو دنیا و آخرت میں تمہارے لیے خوش نصیبی ہو گی، اور اگر تم نے انہیں مجھی پر لوٹا دیا تو میں حکمِ الٰہی تک صبر کرونگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

لہذا اس مکالمے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ نے دین کے معاملے میں دیگر مذاہب یا اقوام کے ساتھ مداہنت یعنی سودے بازی نہ کرنے کا رویہ پیش کر کے اس بات کا پیغام دیا کہ دین کے معاملے میں کسی بھی حالت اور صورت میں مداہنت یعنی سودے بازی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے ہر فرد اپنے مذہب کے مطابق آزادی سے زندگی گزارنے کی بجائے دیگر مذاہب کی اجارہ داری میں پستا چلا جائے گا۔ جس کے باعث معاشرے میں امن قائم ہونے کی بجائے فتنہ وفساد کو فروغ ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے مشرکینِ مکہ کی طرف سے پسندیدہ عورت سے شادی کرنے، مال ودولت وصول کرنے، جاہ وحشمت کا تاج پہننے اور ہر طرح کے علاج کروانے کی پیش کش کے جواب میں کہا کہ مجھے اس کے معاوضے میں تمہارے مال ودولت، اعلیٰ مرتبے اور حکومت کی کوئی خواہش نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا تم میرے ساتھ مداہنت یعنی سودے بازی کرنے کی بجائے مجھ پر ایمان لے آؤ، یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہے۔

مکالمات ومذاکرات

انسان فطری طور پر ہمیشہ سے مکالمات کے ذریعے دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ جس کے پیشِ نظر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ مکی اور مدنی دور میں مکالمات کیے۔ جن کا مقصد دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینا تھا۔ اسی غرض سے آپ نے سردارانِ قریش مختلف وفود، یہود و نصاریٰ اور دیگر سلاطین سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مذاکرات و مکالمات کیے۔ حتیٰ کہ آپ نے دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ مذاکرات و مکالمات کرنے کے لیے صحابہ کرام کو دیگر زبانوں[27] میں مہارت حاصل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ مذاکرت و مکالمات میں تاثیر اور قوت، اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مذاکرات و مکالمات کی زبان آسان، نرم، قابل فہم اور ایک جیسی ہو۔ تاکہ دیگر اقوام اور مذاہب سے براہِ راست تبادلہِ خیال کر کے متنازعہ مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔

نبی کریم ﷺ کا مذاکرات و مکالمات کا سلسلہ اہل قریش کے ساتھ اس وقت پیش آیا، جب آپ نے قریش کو اسلام کی دعوت دے کر ان کو بتوں کی عبادت کرنے سے روکا، توانہوں نے آپ سے اجنبیت اختیار کرلی۔ آپ کو دین اسلام کی تعلیم سے روکنے کے لیے قریش کے تمام بڑے بڑے سردار یکجان ہو کر آپ کے چچاابو طالب کے پاس مذاکرت و مکالمات کی غرض سے آکر کہنے لگے:

یا ابا طالب،ان ابن اخیک قد سب آلہتنا، وعاب دیننا، وسفہ احلامنا، وضلل آباء نا؛ فاما ان تکفہ عنا،واما ان تخلی بیننا وبینہ، فانک علی مثل ما نحن علیہ من خلافہ، فنکفیکہ۔فقال لہم ابو طالب قولا رفیقا وردہم ردا جمیلا، فانصرفوا عنہ[۲۸]

ترجمہ:اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دی، ہمارے دین میں عیب نکالے، ہم میں سے عقلمندوں کو بے وقوف بنایا، اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتایا،لہذا اب یا تو اسے ان باتوں سے روک دیجئے یا ہمارے اور اس کے درمیان دخل نہ دیجئے، کیونکہ آپ بھی ان کے خلاف اسی (دین) پر ہیں، جس پر ہم ہیں۔ ہم آپ کی جانب سے بھی اس کا بندوبست کرلیں گے۔ تو ابو طالب نے نرمی کے ساتھ باتیں کر کے انہیں حسنِ تدبیر سے واپس کر دیا، اور وہ ان کے پاس سے واپس لوٹ گئے۔

اس دفعہ جو مکالمہ ابو طالب اور قریش کے مابین ہوا، آپ کے چچانے اس کے متعلق کوئی بھی بات آپ سے نہ کی۔اور آپ بدستور سب کو اسلام کا پیغام دیتے رہے۔ تو کچھ عرصے بعد دوبارہ قریش مل کر ابو طالب کے پاس آکر پہلے جیسا مکالمہ کیا تو اس بار آپ کے چچا پر اپنی قوم کی جدائی اور دشمنی بہت شاق گزری جبکہ آپ کو ان کے حوالے کر کے بے یارو مددگار چھوڑ دینا بھی گوارانہ تھا۔ تو اس بار آپ کے چچانے آپ کو اپنے پاس بلا کر کہا:

یابن اخی ان قومک قدجاؤنی،فقالوالی کذاوکذا،الذی کانواقالوا لہ،فابق علی وعلی نفسک،ولا تحملنی من الامرمالاا طیق۔۔۔ فظن رسول اللہ انہ قد بدا لعمہ فیہ بداء انہ خاذلہ ومسلمہ، وانہ قد ضعف عن نصرتہ والقیام معہ۔قال: فقال رسول اللہ یا عم، واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ہذا الامر حتی یظہرہ اللہ اوا ہلک فیہ ما ترکتہ[29]

ترجمہ:اے بھتیجے! تیری قوم میرے پاس آئی تھی،اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کیں(وہ باتیں کی جو قوم نے کہی تھیں)پس مجھ پر بھی رحم کر اور اپنی جان پر بھی۔اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔۔۔پس رسول اللہ ﷺ کے (دل میں)خیال گزرا کہ اب چچا بھی مدد نہیں کرینگے۔اور آپ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ گویا ان سے بھی اعانت وحمایت کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا:اے چچاجان!اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں اور شرط یہ ہو کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں تو بھی میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اسے غلبہ عطا کرے یا میں مر جاؤں۔

ابن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ) کہتے ہیں کہ جب قریش نے سمجھ لیا کہ ابو طالب نبی کریم ﷺ سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو وہ عمارہ بن الولید بن المغیرہ کو لیکر آپ کے چچا کے پاس آئے۔ جو قریش میں سب سے زیادہ طاقتور اور خوبصورت تھے۔ اہل قریش نے آکر کہا: اے ابو طالب!

فہو لک واسلم الینا ابن اخیک ہذا، الذی قد خالف دینک ودین آباء ک وفرق جماعة قومک وسفہ احلامہم، فنقتلہ، فانما ہو رجلبرجل؛ فقال: واللہ لبئس ما تسومونی،اتعطونی ابنکم اغذوہ لکم، واعطیکم ابنی تقتلونہ؟ہذا واللہ ما لا یکون ابداً[30]

ترجمہ: یہ آپ کا ہے اور آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم اسے قتل کر ڈالیں۔ جس نے آپ کے اور بزرگوں کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے، اور عقلمندوں کو بے وقوف بتایا ہے۔ الغرض آپ کو ایک شخص کے عوض ایک شخص دیا جارہا ہے۔ انہوں (ابو طالب) نے کہا: اللہ کی قسم! تم مجھ سے کتنا برا معاملہ کر رہے ہو! کیا تم مجھے اپنا لڑکا اس لیے دے رہے ہو کہ میں اسے تمہاری خاطر کھلاؤں، پلاؤں اور تمہیں اپنا لڑکا دے دوں کہ تم اسے قتل کر ڈالو؟ واللہ یہ تو ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد اہل قریش نے مختلف اوقات میں براہِ راست نبی کریم ﷺ سے مذاکرات و مکالمات کیے۔ جس میں انہوں نے مختلف قسم کے لالچ بھی دیئے، لیکن آپ نے ہر موقع پر انہیں صرف ایک ہی جواب دیا:

ما بہذا بعثت الیکم انما جئتکم من اللہ بما بعثنی بہ وقد بلغتکم ما ارسلت بہ الیکم،فان تقبلوہ فہو حظکم فی الدنیا ولآخرة وان تردودہ علی اصبر لامر اللہ تعالی حتی یحکم اللہ بینی و بینکم[31]

ترجمہ: میں تمہارے پاس ان چیزوں کے ساتھ مبعوث نہیں ہوا۔ میں صرف وہ چیزیں لایا ہوں، جو اس نے دے کر بھیجا اور میں نے وہ چیز تمہیں پہنچا دی۔ جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا۔ پس اگر تم نے اسے قبول کر لیا، تو وہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر تم نے اسے مجھی پر لوٹا دیا تو میں حکم الہی کا صبر کروں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

نبی کریم ﷺ کے اہل قریش کے علاوہ یہود و نصاریٰ سے بھی مختلف اوقات میں مذاکرات و مکالمات ہوئے۔ جس کی ایک نمایاں مثال وفد نجران [۳۲] کی ہے۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں سے چودہ افراد نصاریٰ کے اشراف میں سے تھے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی، پھر آپ نے ان کچھ سوالات کیے، اور انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کیے۔ اس کے بعد آپنے انہیں اسلام کی دعوت دی، تو بات مباہلہ کرنے تک پہنچ گئی۔

علامہ ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) اس بارے میں لکھتے ہیں:

ان لا نبابلک فاحکم علینا بما احببت نعطیک ونصالحک ،فصالحہم علی الف حلة، الف فی رجب و الف فی صفرٍ اوقیة کل حلة من الاواق[33]

ترجمہ: یہ کہ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے، پس آپ جو بھی فیصلہ کریں ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ لہذا آپ ﷺ نے ان سے دو ہزار جوڑوں پر صلح فرمائی۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہو گی۔

تاہم آپ ﷺ نے ان چیزوں کے بدلے انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرما کر انہیں دین کے بارے میں مکمل آزادی دی۔ اور آپ ﷺ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ کر دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی، کہ آپ ان کے ساتھ ایک امین (امانت دار) آدمی کو روانہ فرمائیں۔ تاکہ وہ ہمارے مالی اختلافی امور میں ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ تو اس پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا۔[۳۴]

معاہدات

بین الاقوام اور بین المذاہب تعلقات کو فروغ دینے کے لیے معاہدات زمانہ قدیم سے ایک فطری تقاضے کے طور پر مستعمل ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ بین الاقوام اور بین المذاہب پائی جانے والی تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کے حل کا بہترین ذریعہ معاہدات کو سمجھا گیا ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دیگر مذاہب کے ساتھ معاہدت کرنے کی اجازت مراحمت فرمائی۔ جس کا اندازہ قرآن مجید میں مذکور درج ذیل آیات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ[۳۵]

ترجمہ: مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے۔

دوسرے مقام پر ہے:

اِلاَّ الَّذِيْنَ عَاہَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُواْ لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُواْ لَہُم[۳۶]

ترجمہ: مگر جن لوگوں سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس عہد لیا ہے۔ سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی سیدھی طرح رہو۔

ایک آیت میں مشرکین سے عہد پورا کرنے کا حکم مذکور ہے:

اِلاَّ الَّذِيْنَ عَاہَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئاً وَلَمْ يُظَاہِرُواْ عَلَيْكُمْ أَحَداً فَأَتِمُّواْ لَہِمْ عَہْدَہُمْ لَى مُدَّتِہِمْ[۳۷]

ترجمہ: سوائے ان لوگوں کے مشرکین میں سے جنہوں سے تم نے عہد کیا ہے۔ پس ان میں سے کسی ایک نے تم پر کوئی چیز ظاہر نہیں کی اور نہ ہی عہد شکنی کی ہے۔ پس تم بھی عہد کی مدت تک عہد کی پاسداری کرو۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کرنے اور ان کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دیگر مذاہب کے ساتھ مختلف نوعیت کے معاہدات کیے۔ آپ کی سیرتِ طیبہ عملی طور پر معاہدے کی پاسداری کو

صحیح ایمان اور درست عقیدے کے لیے مستلزم قرار دیتی ہے۔ معاہدات کے پاسداری عقل اور ضمیر کی ایک ایسی امانت کا نام ہے جو مکر و فریب کے لیے راہ ہموار نہیں کرنے دیتی۔

مولانا عبد الباقی حقانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"سیرتِ نبوی میں بہت زیادہ ایسے قولی اور فعلی نمونے ہیں جس سے اسلام میں دشمن کے ساتھ معاہدے کرنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اسلام ایک حقیقت شناس دین ہے۔ جو زمینی حقائق سے نظریں نہیں چراتا، اسی بنیاد پر صلح اور امن کو قائم کرنے کے لیے معاہدوں کو بہتر ذریعہ خیال کرتا ہے۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس کی طرف عصر حاضر میں عالمی ممالک مائل ہوئے ہیں۔ تاکہ دائمی امن اور سلامتی کو قائم کیا جاسکے۔ پس معاہدے صلح اور امن کے قیام کے لیے ایک فعال اور کارآمد ذریعہ ہیں۔ اور مسلمانوں نے بہت پہلے سے اس کو اپنا معمول بنایا تھا۔ اس لیے ہر وقت اپنے دشمن کو صلح اور معاہدے کی دعوت دیتے تھے"۔[۳۸]

اسلام کے دورِ عروج میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اہل اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ عہد شکنی کا رویہ اختیار کیا گیا ہو بلکہ فقہاء نے جنگ کی حالت میں دیگر مذاہب کے ساتھ مکر فریب جائز قرار دینے کے باوجود ان مکر و فریب سے منع کیا ہے جس میں معاہدے کی خلاف ورزی ہو رہی ہو۔

امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

اتفق العلماءعلی جوازالکفارفی الحرب کیف امکن الخداع الاان یکون فیه نقض عہداوامان فلایحل[39]

ترجمہ: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں ہر قسم کا مکر و فریب جائز ہے۔ لیکن اگر کہیں اس فریب دینے میں کسی ایسے وعدے یا معاہدے کو نقصان پہنچتا ہو جو انہوں نے اپنے دشمن کے ساتھ کیا ہو، تو اس قسم کا فریب اور دھوکہ جائز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں یہود و منافقین اوس اور خزرج کے قبائل میں انتشار ڈالنے اور انصار و مہاجرین کے مابین منافرت پھیلانے میں مصروف تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے سامنے داخلی حالات نہایت پیچیدہ صورت میں رونما ہوئے، کیونکہ اس وقت مدینہ میں کوئی مرکزی نظام موجود نہ تھا۔[۴۰] اس لئے ریاستِ مدینہ کے استحکام کے لیے بین المذاہب تعلقات انتہائی ناگزیر تھے۔ تاہم اس وقت مدینہ کی آبادی مختلف مذاہب سے منسلک لوگوں کا مجموعہ اضداد بن چکی تھی۔ جس کی وضاحت میں ڈاکٹر حافظ محمد یونس لکھتے ہیں:

"اس وقت مدینہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی، مہاجرین، انصار، بت پرست، مشرکین، جن کا رشتہ انصار سے تھا۔ ان ہی میں عبد اللہ بن ابی کی جماعت بھی تھی، جو منافقت کا پارٹ ادا کر رہی تھی۔ ان کے علاوہ یہود کے تین قبیلے ،بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع تھے۔ ان میں بھی رقابتیں تھیں۔۔۔ عالمی وحدت اور تنظیم شرعی کے بروئے کار لانے کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ مدینہ کی آبادی داخلی حیثیت سے پر سکون رہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں

تھا جب تک مدینہ کے یہ چاروں عناصر اپنے اپنے حقوق کی جانب سے مطمئن نہ ہوں۔ گویا مدینہ منورہ اس وقت اپنی گوناگوں آبادی کے لحاظ سے مجموعہ اضداد تھا اور ایک عجیب طرح کے اندورنی خلفشار اور انتشار میں مبتلا تھا اور بظاہر ان تمام عناصر میں وفائی وحدت پیدا کرنی ناممکن معلوم ہوتی تھی"۔[41]

لہذا انہی اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر آپ نے چندماہ بعد ہی ایک ایسی دستاویز مرتب فرمائی جس کا مقصد شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کا انتظام ودستور مرتب کرنا تھا۔ اس دستاویز کو معاہدہ میثاقِ مدینہ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ جس کی بدولت معاشرہ امن کا گہوارہ بن گیا۔ نبی کریمﷺ نے معاہدہ میثاقِ مدینہ کے ذریعے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو ایک عالمگیر انسانیت کا داعی بنا۔ یہ دستور صرف اس زمانے کے لئے اہمیت کا حامل نہیں تھا بلکہ مستقبل کے تمام مسلم حکمرانوں کے لئے رہنما اصول تھے، کہ ان کو اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح معاملات سرانجام دینے چاہیے۔ معاہدہ میثاقِ مدینہ سے لیکر اقوامِ متحدہ تک جتنے بھی دساتیر ومنشور منظرِ عام پر آئے ان سب کی بنیاد میثاقِ مدینہ ہی ٹھہرا ہے، کیونکہ یہ انسانیت کا اولین دستور ہے۔[42]

اس دستور کی بدولت مہاجرینِ مکہ، انصارِ مدینہ، یہود ومشرکینِ مدینہ اور ان کے پیروکاروں کے مابین ایک اشتراکیت قائم ہوگئی۔ جس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے محمد حسین ہیکل (متوفی ۱۸۸۸ء) لکھتے ہیں:

یہ ہے وہ تحریری معاہدہ جس کا ہر لفظ انسانی معاشرہ کے سچے اور مخلص ہمدرد محمد رسول اللہ کی رحمت وبرکت عطا کرنے والی سوچ کا مرہونِ منت ہے۔ آج سے ۱۴۱۵ سال پہلے جس معاہدہ کی تحریر نے انسانی معاشرہ کو تا قیامت ایسا امن و سکون بخشا، ضابطہ حیات دیا، جس کی پناہ میں رہنے والے ہر گروہ کو اپنے عقیدہ پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے۔ ایک ایسا ضابطہ حیات جس نے انسانی زندگی کی حرمت قائم کر دی۔ انسانی معاشرہ میں ایک دوسرے کے مال و اسباب کو تحفظ بخشا، ایسا ضابطہ حیات جو ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ کا دبا قائم کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاہدہ میں شریک بستی (مدینہ) اور اس میں رہنے والوں کے لئے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمایئے کہ اس معاہدہ نے معاشرہ کی سیاسی اور مدنی زندگی کو ارتقا کی کتنی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا۔ وہ معاشرہ جس کی سیاست و مدنیت پر ابھی تک لاقانونیت اور جبر وقہر کا ہاتھ مسلط تھا۔ ہر طرف فساد وبلا کا دور دورہ تھا۔۔۔ اب وہاں باہمی رواداری، بھائی چارہ، مروت، ایثار اور وفا کے باغ لہلہانے لگے۔[43]

نبی کریمﷺ نے ہجرت سے قبل بھی اہل یثرب سے ملاقاتیں اور بیعتیں کی۔ اور مدینہ پہنچ کر معاہدہ میثاقِ مدینہ کے علاوہ دیگر قبائل کے ساتھ بھی معاہدات کیے۔ جن کی بدولت آپ نے بین المذاہب سازگاری پیدا کر کے مٹھی بھر مسلمانوں کو دشمنوں کے سمندر میں محفوظ کر لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی (متوفی ۲۰۱۰ء) اس بارے میں لکھتے ہیں:

"مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے اہم کام یہی تھا کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو دشمنوں کے سمندر میں کیسے محفوظ و مامون بنایا جائے۔ اس غرض کے لئے آس پاس کے قبائل سے روابط ناگزیر تھے، دستورِ مدینہ بھی ایک طرح سے مختلف قبائل کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی بات تھی۔ اس میں بھی خارجہ معاملات کا ایک عنصر موجود تھا۔ پھر جہینہ

،ضمر اور مزینہ کے ساتھ جو تعلقات اور معاہدے کئے گئے وہ بھی امورِ خارجہ کی پہلی کڑی یا پہلا قدم تھا"۔[۴۴]

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ نے جب ہجرت کے بعد اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھی، تو مدینہ منورہ کو ایک سیاسی وحدت بنانے کے لیے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کو یقینی بنایا بلکہ ایک پر امن معاشرے کی تشکیل کے لیے مدینہ منورہ متعلق تمام قبائل اور اربابِ اقتدار کے ساتھ ایسے معاہدات طے کیے۔ جن میں ہر مذہب کے ہر فرد کو جان و مال اور دین کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنی رائے کو مکمل آزادی کے ساتھ اختیار کرنے کا موقع بھی دیا گیا۔

سفارت کاری

سفارت کاری[۴۵] کا رویہ دیگر اقوام اور مذاہب کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ سفارت کاری کا اصول اگرچہ زمانہ قدیم سے ہر قوم میں چلتا آرہا ہے لیکن اس کے باوجود قرونِ وسطیٰ کے نصف دور تک اس کی کوئی مستقل اور دائمی حیثیت نہیں تھی، بلکہ اس کو عارضی امور میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سفارت کاری کو ابتدائی طور پر خفیہ معاہدوں اور خفیہ اتحاد و جارحیت کے غیر ذمہ دارانہ بلکہ دھوکہ دہی کے خطوط پر چلایا گیا۔ جس کی وجہ سے سفارت کاری کو بین الاقوامی تعلقات میں ایک خاص مدت تک دھوکہ دہی کا علم ہی خیال کیا جاتا تھا بلکہ انیسویں صدی تک سفر کو ایک دیانتدار کاذب سمجھا جاتا تھا جو اپنی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتا تھا۔[۴۶]

چنانچہ ڈاکٹر حافظ محمد یونس اس کی اہمیت بیان کرتے ہیں:

> سفارت کاری کا عہدہ ایام قدیم سے چلا آرہا ہے یعنی جب سے تہذیب و ثقافت اور ریاستی امور و قوانین وضع کیے گئے ہیں، اس عہدہ کا پھریرا قصرِ سیاست پر پوری آب و تاب سے لہرا رہا ہے۔ یونانی، روسی، ایرانی اور چینی سیاسیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں عہدہ سفارت موجود تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب عرب معاشرتی لحاظ سے مختلف گروہوں، جماعتوں اور قبیلوں میں منقسم رہے اور ان میں صدیوں پرانی رقابتیں اور دشمنیاں چلی آرہی تھیں، تب بھی وہ اصلاح احوال اور حل تنازعات کے لیے سفارت پر یقین رکھتے تھے اور اپنے قبیلے سے سفارت کے لیے اس شخص کا منتخاب کرتے جو طاقت ،لسان، فصاحت و بلاغت ،ہمت و جرأت ، تہور و شجاعت اور معاملہ فہمی میں یکتائے روزگار ہوتا۔ اسلام کی آمد سے پہلے سفارت کے فرائض حضرت سیدنا فاروق اعظم کے سپرد تھے۔[۴۷]

گویا ہر قوم سفارت کاری کے ذریعے ملک و ملت، مال و دولت، جاہ و حشمت کی ہمیشہ متلاشی رہی ہیں۔ ان کا مقصد اپنے مد مقابل کو مفتوح کر کے خود اقتدار پر حاصل کرتا ہوتا تھا، اسی لیے وہ غدر، عہد شکنی، دھوکہ دہی اور بے جا خوشامد کرتے نظر آتے تھے۔

صلح حدیبیہ سے اشاعتِ اسلام کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا، یعنی ۶ ہجری میں جب صلح حدیبیہ کے نتیجے میں ریاستِ مدینہ باہم تصادم، لڑائی جھگڑا اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو گئی تو آپ نے سفارتکاری کے رویے کے تحت ایک نئی تبلیغی مہم کا آغاز کیا اور باہمی مشاورت سے پہلی فرصت میں قیصر و کسریٰ، نجاشی اور دیگر سلاطین کی طرف سفیر روانہ کیے۔

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (متوفی ۲۰۱۳ء) لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جو دعوت لے کر آئے تھے وہ کسی مخصوص قوم کے لئے نہیں تھی بلکہ تمام انسانوں کے لئے تھی۔ آپ کا پیغام پوری انسانیت کے لیے عام تھا۔ وہ کسی نسلی، قومی یا گروہی مزاج کا حامل نہ تھا، اس لیے آنحضرت نے اپنی دعوت کو روئے زمین کے تمام حکمرانوں اور شہنشاہوں تک پہنچانے کا منصوبہ بنایا اور اور کی کوشش کی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور طاقت ور حکمرانوں کو خطوط لکھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی"۔[۴۸]

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سفارت کاروں کی جان ومال کی حفاظت کا اصول فراہم کرتی ہے، تاکہ سفراء اپنی ذمہ داری مکمل اطمینان سے ادا کر سکیں۔ اگرچہ بعض قاصدین نے دین اسلام کا مذاق بھی اڑایا، اس کے باوجود آپ نے انکا قاصد ہونے کی بناء پر مواخذہ نہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ابن ناحہ اور ابن اثال مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس بطورِ قاصد مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتشہدانی رسول اللہ؟قالا:نشہدان مسیلمۃرسول اللہ،فقال رسول اللہﷺ: آمنت باللہ ورسولہ لوکنت قاتلاً رسولاً لقتلتکما۔ قال عبد اللہ : فمضت السنۃ ان الرسل لا تقتل[۴۹]

ترجمہ: کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو ان دونوں نے کہا: ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ تو رسول اللہ نے ان سے فرمایا: کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ اگر میں قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر یہ ایک سنت اور طریقہ جاری ہو گیا کہ قاصدوں کو قتل نہ کیا جاتا۔

حضرت ابو رافع روایت کرتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی بات کے لیے بھیجا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اسلام میرے دل میں اتر گیا، اور میں ایمان لے آیا۔ تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں کبھی بھی ان کی طرف واپس نہیں جاؤں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انی لا اخیس بالعہد البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن فارجع[۵۰]

ترجمہ: بے شک میں عہد اور وعدے کو نہیں توڑتا اور نہ میں قاصدین کو کوئی نقصان پہنچاتا ہوں، لیکن تو ابھی چلا جا، اگر تو اپنے عزم اور ارادے میں سچا ہے تو قریش کے پاس چلا جا اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے بعد دوبارہ واپس آجا۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

ھذاالحدیث دلیل علی انہ یجب الوفاءبالعہدللکفارکمایجب للمسلمین،لان الرسالۃ تقتضی جواباًیصل علی ید الرسول فکان ذالک بمنزلۃ عقد العہد[51]

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرنا اسی طرح واجب ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدے کو پورا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ ہر پیغام جواب کا تقاضا کرتا ہے۔ جو اسی قاصد کے ہاتھ پر پہنچے، جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس کو ایک قسم کا معاہدہ شمار کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دیگر مذاہب کے سفراء اگرچہ ایسے خیالات کا اظہار کریں پھر بھی ان سفراء کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ بالخصوص اس وقت جب ان کے سیاسی قاصدین اپنے مقاصد میں ناکام ہو چکے ہوں اور مذاکرات بے نتیجہ ختم ہو جائیں۔ اس کے باوجود ان کو مکمل حفاظت کے ساتھ ان کے ملک میں پہنچایا جائے، جہاں پر وہ اپنی حفاظت پر اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔

لہٰذا سفارت کاری کے رویے کی بدولت دیگر مذاہب اقتصادی منافع کا تبادلہ کر کے اجتماعی مقاصد کو آسان بنا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اقوام کی علمی اور ثقافتی ایجادات سے استفادہ کر کے وہ قوم وملت کو عروج وترقی اور فلاح وبہبود کی طرف سفر کرے۔ تاہم آپ کی سیرتِ طیبہ سفارت کاری کے رویے کو صرف آزاد اور مستقل ممالک کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی تلقین نہیں کرتی بلکہ غیر مستقل ممالک کے ساتھ سفارت کاری کے رویے کی بدولت ساز گاری پیدا کرنے کی خواہاں ہے۔

خلاصہ بحث

نبی کریم ﷺ کی سیرت اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں دیگر مذاہب سے تعلقات کی بنیادی چار جہات ملتی ہیں۔ جن میں پہلی جہت عدم مداہنت یعنی اہل حق باطل سے مرعوب ہو کر اپنے موقف یا نقطہ نگاہ میں اس طرح کی تبدیلی اور لچک پیدا کریں، کہ اہل حق اور باطل کے نقطہ نگاہ میں مطابقت پیدا ہو جائے یا کم از کم تصادم باقی نہ رہے۔ اس کی اسلام میں قطعی طور پر کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ دوسری جہت مذکرات و مکالمات کی ہے جس کی مکی و مدنی دور میں نمایاں مثالیں موجود ہیں۔ تیسری جہت معاہدات کی ہے جو اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور چوتھی جہت سفارت کاریہے جس کی بدولت اسلام کا پیغام کو عرب کی سرزمین سے باہر نکل کر قریب و بعید کی ہر سلطنت تک پہنچایا گیا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی وحوالہ جات

[1] القرآن ۳:۷٦۔

Al Quran 76:3.

[2] محمد بن احمد القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، (القاہرۃ: دار الکتب المصریہ، ۱۹٦٤ء)، ج۱۹، ص۱۲۲۔

Muhammad bin Ahmad Al Qurtubi, ***Al-Jamea al-Ahkamul Quran***, (Al-Aahira: Darul kutub al misriah 1964) Vol. 19, p 122

[3] القرآن ۹۰:۱۰۔

Al Quran 90:10.

[4] محمد ثناء اللہ پانی پتی، **التفسیر المظہری**، (الباکستان: مکتبۃ الرشیدیہ، 1992ء)، ج۱۰، ص۲٦٦۔

Muhammad Sanaullah Pani Pati, ***Tafsir al-Mazhari,*** (Pakistan: Maktabah al Rashidiyyah 1992), Vol. 10, p 266

[5] القرآن ۹۱:۸۔

Al Quran 91:8.

[6] عبد اللہ بن احمد النسفی، **مدارک التنزئل وحقائق التاویل**، (بیروت: دار الکم الطیب، ۱۹۹۸ء)، ج۳، ص٦٤۸۔

Abdullah bin Ahmad Al-Nasafi, ***Madarik al-Tanzil wa Haqa'iq al-Ta'wil***, (Beirut: Dār al Kalim al Tayyab 1998), Vol. 3, p 648

[7] القرآن ۲:۲۱۳۔

Al Quran 2:213.

[8] سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، (لاہور: ترجمان القرآن، س ن)، ج۱، ص۱٦۲۔

Syed Abul A'la Maududi,***Tafhim-ul-Quran***, (Lahore: Tarjuman ul Quran), Vol. 1, p 162

[9] القرآن ٦۸:۹۔

Al Quran 68:9.

[10] محمد بن جریر طبری، **جامع البیان عن تاویل القرآن**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۰ء)، ج۲۳، ص۵۳٤۔

Muhammad bin Jarir Al-Aabari, ***Jāmiʿ Al-bayān ʿan taʾwīl āy al-Qurʾān***, (Beirut: Muasasat Alrisalah 2000), Vol. 23, 534

[11] محمد بن علی الشوکانی، **فتح القدیر**، (بیروت: دار ابن کثیر، س ن)، ج۵، ص۳۲۰۔

Muhammad bin Ali Al-Shawkānī, ***Fath al-Qadir***, (Beirut: Dār Ibn Kathir), Vol. 5, p 320

[12] محمد بن احمد القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، ج۲۰، ص۲۲۵۔

Muhammad bin Ahmad Al Qurtubi, ***Al-Jamea al-Ahkamul Quran,*** Vol. 20, p 225

[13] علی بن محمد الخازن، **لباب التاویل فی معانی التنزیل**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، س ن)، ج:4، ص:485

Ali bin Muhammad al-Khāzin, ***Lubāb al-ta'wīl fī maʻānī al-tanzīl***, ((Beirut: Dār al Kutub al ʻIlmiyyah), Vol. 4, p 485

[14] عبداللہ بن احمد النسفی، **مدارک التنزیل وحقائق التاویل**، ج:3، ص:687

Abdullah bin Ahmad Al-Nasafi, ***Madarik al-Tanzil wa Haqa'iq al-Ta'wil***, Vol. 3, p 687

[15] الحسین بن مسعود البغوی، **معالم التنزیل فی تفسیر القرآن**، (بیروت: احیاء التراث العربی، س ن)، ج:5، ص:317

Al-Ḥusayn ibn Masʿūd Al-Baghawī, ***Maʿālim al-Tanzīl Fi Tafsir al-Quran***, (Beirut: Dār Iḥya' al Turath al ʿArabi), Vol. ٥, p ٣١٧

[16] علی بن احمد الواحدی، **الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**، (بیروت: دار القلم، س ن)، ج:1، ص:1237

Alī ibn Ahmad al-Wāhidī, ***Al-wajīz fī Tafsīr al-Kitāb al-ʻAzīz***, (Beirut: Dār al Qalam), Vol. 1, p 1237

[17] محمد بن یوسف، **تفسیر البحرالمحیط**، (بیروت: دارالفکر 1992ء)، ج:10، ص:557

Muḥammad ibn Yūsuf, ***Tafsīr al-Baḥr al-Muḥīt***, (Beirut: Dār al-Fikr 1992), Vol. 10, p 557

[18] عبدالرحمن بن علی الجوزی، **زاد المسیرفی علم التفسیر**، (بیروت: دار الکتب العربی، س ن)، ج:4، ص:499

Abd al-Raḥmān b. ʿAlī al-Jawzī, ***Zad al-Masir fi 'ilm al-Tafsir***, (Beirut: Dār al Kutub al-ʹArabi), Vol. 4, p 499

[19] عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، **الدر المنثور**، (بیروت: دار الفکر، س ن)، ج:8، ص:654

Abd al-Raḥmān ibn Abī Bakr al-Suyūṭī, ***Al-Durr Al-Manthur,*** (Beirut: Dār al-Fikr), Vol. 8, p 654

[20] محمود بن عبد اللہ آلوسی، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم**، (بیروت: دار الکتب العلمیة، س ن)، ج:15، ص:485

Meḥmuwd bin ʿAbdullāh Aluwsi, ***Rūh al-Ma'ānī fī Tafsīri-l-Qur'āni-l-'Aẓīm***, (Beirut: Dār al Kutub al ʿIlmiyyah), Vol. 15, p 485

[21] علی بن محمد الماوردی، **النکت العیون**، (بیروت: دار الکتب العلمیة، س ن)، ج:6، ص: 357

Alī Ibn Muḥammad al-Māwardī, ***Al Nukt Al Euyun***, (Beirut: Dār al Kutub alʿIlmiyyah), Vol. 6, p 357

[22] قاضی ثناء اللہ پانی پتی، **التفسیر المظہری**، ج:10، ص:354

Muhammad Sanaullah Pani Pati, ***Tafsir al-Mazhari,*** Vol. 10, p 354

[٢٣] عبد الملک بن ہشام، **السیرة النبویة**، (شرکة الطباعة الفنیة المتحدة، س ن)، ج١، ص٢٦١۔

Abd al-Malik bin Hisham, ***As-Sīrah an-Nabawiyyah***, (Sharkt al Tibaeat al Fnyt al Mutahida),Vol. 1, p 261

[٢٤] کسی شخص کے تابع جن یا موکل کو اہل عرب رئی کہتے ہیں۔

[٢٥] عبد الملک بن ہشام، **السیرة النبویه**، ج١، ص٢٦٣-٢٦٢۔

Abd al-Malik bin Hisham, ***As-Sīrah an-Nabawiyyah***, Vol. 1, p 262-263

[٢٦] ایضاً۔

Ibid.

[٢٧] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاحکام، باب ترجمة الحکام وبل یجوز، ج٢، ص١٠٦٦۔

Al Bukhārī, Muhammad bin Ismaʿ***il, Al Jamʿi al Ṣaḥiḥ***, (Beruit, Dār Ṭouq al Nijaḥ), Vol. 2, p 1066

[٢٨] عبد الملک بن ہشام، **السیرة النبویه**، ج١، ص٢٣٩۔

Abd al-Malik bin Hisham, ***As-Sīrah an-Nabawiyyah***, Vol. 1, p 239

[٢٩] ایضاً ج١، ص٢٤٠۔

Ibid. Vol. 1, p 240

[٣٠] ایضاً ج١، ص٢٤١۔

Ibid. Vol. 1, p 241

[٣١] ایضاً، ج١، ص٤-٢٤٣

Ibid. Vol. 1, p 243-4

[۳۲] نجران سعودی عرب کے صوبہ نجران کا ایک شہر ہے جو یمن کی سرحد کے قریب ہے۔ نجران اگرچہ ۴,۰۰۰ سال قدیم ہے اور اس پر کچھ عرصہ قدیم رومن افواج کا قبضہ بھی رہا مگر اس کو 1965ء میں نئے شہر کا درجہ دیا گیا اور اب وہ سعودی عرب کے تیزی سے ترقی کرنے والے شہروں میں سے ایک ہے۔ اس شہر میں اسلام کی آمد سے پہلے یہودی اور مسیحی آباد تھے۔ آج کل اس کی زیادہ آبادی اہل تشیع سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم اس شہر کے قریب قدیم آبادیوں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ جن میں سے ایک الاخدود کے آثار ہیں جو نجران شہر کے جنوب میں واقع ہے۔

[۳۳] محمد بن سعد، **الطبقات الكبرىٰ**، (بیروت:دار الكتب العلمية، ١٩٩٧ء)، ج١، ص٢٦٧۔

Muḥammad ibn Sa‘d, ***Aṭ-ṭabaqāt al-kubra***, (Beirut: Dār al Kutub al‘Ilmiyyah 1997), Vol. 1, p 267

[۳۴] عبد الملک بن ہشام، **السيرة النبوية**، ج١، ص٦-٢٦٤۔

Ibid. Vol. 1, p 244-6

[۳۵] القرآن ٤:٩٠۔

Al Quran 4:90.

[۳۶] القرآن ٩:٧۔

Al Quran 9:7.

[۳۷] القرآن ٩:٤۔

Al Quran 9:4.

[۳۸] مولانا عبد الباقی حقانی، **السیاسة والادارة فی الاسلام**، (پاکستان: المكتبة الحقانية العلوم السياسية الشرعية، ٢٠١١ء)، ص٨٠١۔

Maulana Abdul baqi Haqqani, ***Al Siyasah wl Idarah fil Islam***, (Pakistan: Al Maktaba ul Haqqania al Ullom al Siyasah al Shariah 2011), p 801

[۳۹] یحیٰ بن شرف النووی، **شرح صحیح مسلم**، کتاب الجہاد والسیر، باب جواز الخداع فی الحرب، ج٢، ص٣٨۔

Yaḥyā ibn Sharaf al-Nawawī, ***Sharh Sahih Muslim***, Vol. 2, p 38

[۴۰] مولانا حامد انصاری، **اسلام کا نظامِ حکومت**، (لاہور: مکتب الحسن، س ن)، ص۷۷۔

Maulana hamid ansari, ***Islam ka Nizam Hakumat***, (Lahore: Makta ul Hasan), p 77

[۴۱] ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **رسول اللہ کا سفارتی نظام**، (راولپنڈی: دار الفرقان ۱۹۹۶ء)، ص۱۳۳-۱۳۲۔

Dr. Hafiz Muhammad Yunus, ***Rasool ullah ka Safarti Nizaam***, (Rawalpindi: Dar ul Furqan 1996), p 132-133

[۴۲] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی**، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۸۱ء)، ص۸۶-۷۶۔

Dr. Muhammad Hameed ullah, ***Ehd-e-Nabvi Main Nizaam-e-Hukmarani,*** (Karachi: Urdu Acadmy Sindh 1981), p 76-86

[۴۳] محمد حسین ہیکل، **حیاتِ محمد**، مترجم: محمد مسعود عبدہ، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران، س ن)، ص۳۵۴-۳۵۳۔

Muhammad Hussain Haikal, Hayat-e-Muhammad, (Lahore: Al Faisal Nashran o Tajran) p 353-354

[۴۴] ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضراتِ سیرت**، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۹ء)، ص۳۴۵۔

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi, Muhazirat-e-Seerat, (Lahore: Al Faisal Nashran o Tajran) p 345

[۴۵] سفارت اصلاح کی کوشش کرنے کو کہتے ہیں۔ پس قوم کے درمیان صلح کرانے والے کو سفیر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر فریق کے دل میں (جو ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے تاکہ ان (دونوں) کے درمیان صلح ہو جائے۔ اور اسی طرح رسول (یعنی قاصد) پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس بات کو واضح کرتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

[۴۶] ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضراتِ سیرت**، ص۳۶۔

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi, Muhazirat-e-Seerat, p 36

[۴۷] ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **رسول اللہ کا سفارتی نظام**، ص۳۸۔

Dr. Hafiz Muhammad Yunus, ***Rasool ullah ka Safarti Nizaam***, p 38

[۴۸] ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، **فقہ السیرۃ النبویہ**، مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، (لاہور: نشریات ۲۰۱۰ء)، ص۴۷۳۔

Dr. Muhammad Saeed Ramzan al Buti, Fiqh ul Seerah, Traslater: Dr. Muhammad Razi ul Islam, (Lahore: Nashriaat 2010), p 473

[۴۹] **احمد بن حنبل، المسند**، باب مسند عبد الله بن مسعود، (بیروت: الموسسه الرساله ۲۰۰۱ء) ج٦، ص٣٠٦۔

Aḥmād bin Ḥambal, ***Al Musnad***, (Beirut: Muasasat Alrisalah 2000), Vol. 6, p 306

[۵۰] **سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن**، کتاب الجہاد، باب فی الامام یستجن به فی العہود، ج۲، ص٢٤۔

Sulaymān ibn al-Ashʿath, ***Al Sunan,*** Vol. 2, p 24

[۵۱] **محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار**، باب ثبوت امان الکافر اذا کان رسولاً، ج۸، ص٤٣١۔

Muhammad bin Ali Al-Shawkānī, ***Nayl al-Awtar***, Vol. 8, p 431